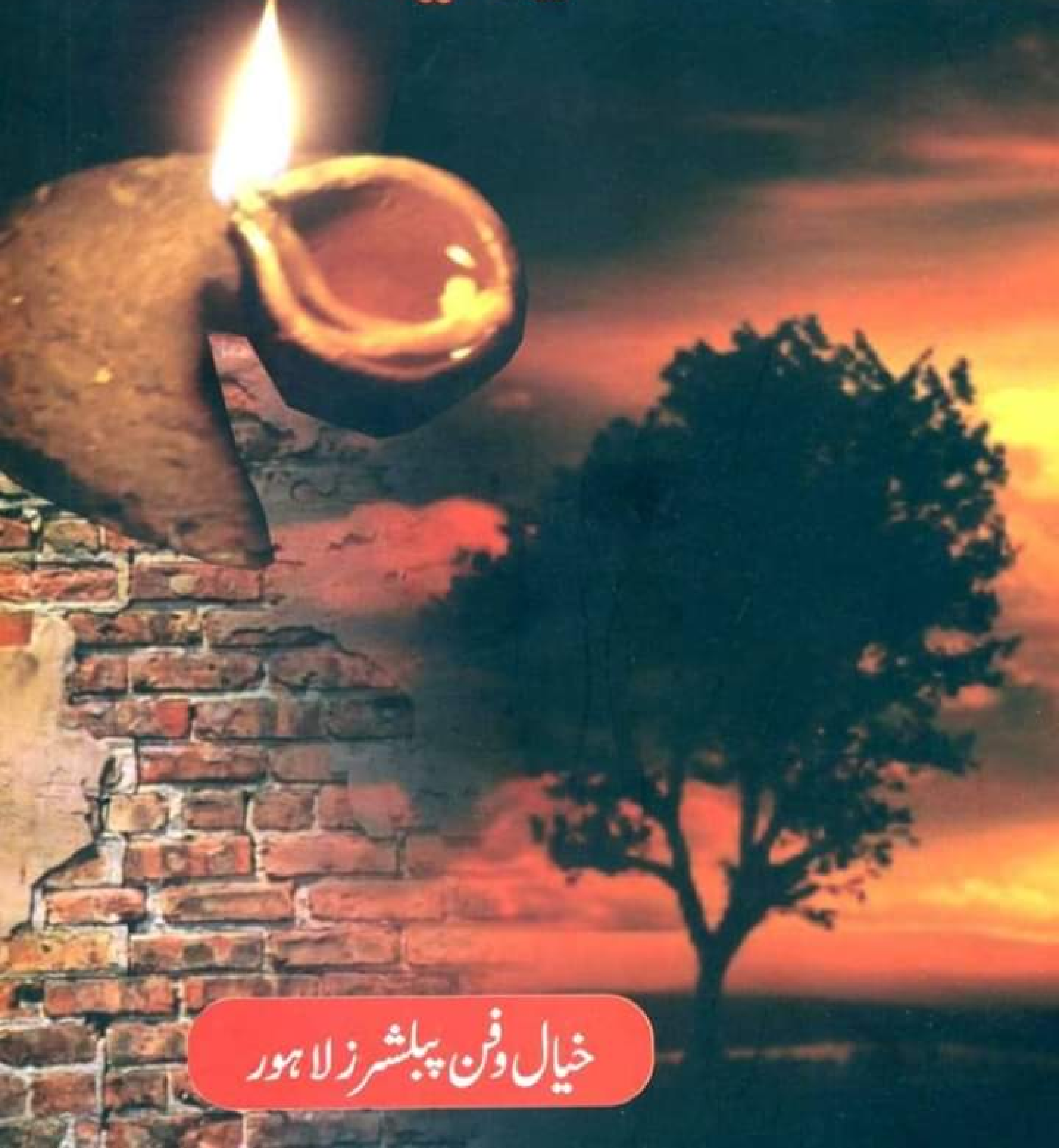
دشت میں دِیپ جلے

(نظمیں، غزلیں)

تمثیلہ لطیف



خیال وفن پبلشرز لاہور

104

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

104

میرے ویران کُوچے میں ٹھہرتا ہی نہیں لیکن
وہ میرے پاس بھی آ کر مسلسل کیوں نہیں رہتا

(تمثیلہ لطیف)

104

دشت میں دیپ جلے

تمثیلہ لطیف

خیال وفن پبلشرز لاہور

1104

خیال وفن پبلشرز لاہور

ہمارا ہدف، معیاری اور دیدہ زیب کتب

اہتمام: ممتاز راشد لاہوری

ضابطہ

نام کتاب: دشت میں دیپ جلے (شعری مجموعہ)

شاعرہ: تمثیلہ لطیف

سنِ اشاعت: نومبر ۲۰۱۶ء

کمپوزنگ: :تمثیلہ لطیف

قیمت: ۲۵۰ روپے

ناشر: خیال وفن پبلشرز لاہور

آئیڈیل ہاؤس، ۱۲ ٹیپ روڈ لاہور

ٹائٹل: انیس احمد

ای میل:khiyalofun@gmail.com

فون نمبر:03314387871

104

انتساب

امی مرحومہ اور ابا مرحوم کے نام

104

O

ساری دنیا دیکھ کے ہم کو جل جائے
ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہو دشت میں دیپ جلے

(تمثیلہ لطیف)

104

فہرست

تمثیلہ لطیف کا دشتِ غزل

104

ممتاز راشدؔ لاہوری

اردو غزل میں نسائی لہجوں کی شاعری کی روایت خاصی پرانی ہے۔(گیتوں میں تو بہت ہی پرانی ہے)غزل ایسی صنفِ سخن ہے کہ اپنے یکساں سے نظر آنے والے ڈھانچے کے باوجود اپنے ہر شعر میں نو بہ نو رنگ سمیٹے ہوئے نظر آتی ہے۔نسائی لہجے کی غزلوں میں بیسویں صدی تک تو چند شاعرات ہی کا نام نمایاں تھا مگر اب اکیسویں صدی کے سولہویں سال میں دیکھیں تو غزل گو شاعرات کی خاصی بڑی تعداد شعری افق پر فروزاں نظر آتی ہے۔انہی میں ایک توانا اور منفرد آواز تمثیلہ لطیف کی ہے جس کی غزلیں ادبی مجلسوں میں اکثر نظر آتی ہیں۔میری معلومات کے مطابق اس کا تعلق پسرور سے ہے مگر وہ مسرور کم اور اداس زیادہ ہے۔والدین کی جدائی کا دکھ اور شریکِ حیات کی لاپرواہیوں نے اسے بکھیر کے رکھ دیا ہے۔مگر وہ اپنے اکلوتے کم سن بیٹے کے سہارے عزم و ہمت کے ساتھ زندگی کو برت رہی ہے۔

لاہور میں ایک ورکنگ لیڈی کے بطور اس کے کئی مسائل ہیں مگر بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے وہ ان مسائل کا سامنا بہادری کے ساتھ کر رہی ہے۔اس کا پہلا شعری مجموعہ ’’کوئی ہم سفر نہیں ہے‘‘ ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا تھا جس کی کوئی کاپی اب شاعرہ کے پاس بھی نہیں۔اب اس نے اپنا دوسرا شعری مجموعہ مرتب کیا ہے جو ’’دشت میں دیپ جلے‘‘ کے نام سے آیا ہے۔شعری مجموعے کا یہ نام کافی حد تک تمثیلہ لطیف کے احساسات کا آئینہ دار ہے۔واقعی اس کی بیشتر غزلیں دشت و صحرا کی اداس وسعتوں کی امین ہیں۔اس کی یہ غزلیں تو پوری کی پوری انہی کیفیات کی حامل ہیں۔

سبھی وعدے سبھی قسمیں بھلا کر جی رہی ہوں میں
کسی کی تھی، کسی کے پاس آ کر جی رہی ہوں میں

ظلمتوں میں پڑی ہوئی میں
روشنی سے ڈری ہوئی ہوں میں

تمثیلہ کی دیگر غزلوں میں کئی ایسے اشعار مل جاتے ہیں جو اس کی محرومیوں، اداسیوں اور دکھوں تکلیفوں سے معمور ہیں۔ایسے ہی کچھ اشعار آپ بھی دیکھیں:

تمام عمر نہ تمثیلہ دیکھی کوئی خوشی — یہ زیست اپنی تو گزری کسی سزا کی طرح

کوئی ہمراز ہی نہیں میرا — خود سے ہی دل کی بات کہی ہوں

ہم نے تمثیلہ اٹھائے دکھ ہی دکھ — سچ تو یہ ہے زندگی مہنگی پڑی

اتنی میں تھک گئی ہوں تمثیلہ — مجھ میں اب حوصلہ نہیں کچھ بھی

اتنے دکھ ہو گئے ہیں تمثیلہ — اب تو مجھ کو رلا دیا جائے

زندگی کی دیگر مشکلات کے علاوہ ہجر و فراق کے گلے شکوے بھی تمثیلہ لطیف کی غزلوں میں راہ پا ہی لیتے ہیں:

جب سے تمثیلہ مجھے چھوڑ گیا ہے کوئی — چاند کے ساتھ ستارہ نہیں دیکھا جاتا

مرے بعد تم نے بسایا ہے کس کا — کسی روز آ کر وہ گھر دیکھ لوں گی

ذرا دیر ٹھہروں گی تیری گلی میں — چمکتے ہوئے بام و در دیکھ لوں گی

اپنی ان محرومیوں کے باوجود تمثیلہ کی شاعری میں متعدد مثبت پہلو بھی مل جاتے ہیں۔ مثلاً اس کا یہ شعر اس کی سوچ کی بڑی عمدہ نمائندگی کرتا ہوا نظر آتا ہے:

ہم اگر مل نہیں سکے تو کیا — دوسروں کو ملا دیا جائے

ایسا نہیں کہ تمثیلہ نے کبھی رومان پرور شب و روز نہ گزارے ہوں مگر بعد میں ملنے والی مشکلات کی وجہ سے اس کی شاعری میں رومانی اشعار کا تناسب خاصا کم ہے۔ مگر وہ اشعار ہیں لاجواب

دنیا چھوڑ کے آئی ہوں — اب تو میرے ہاتھ کو تھام

تمثیلہ وہ جادو گر — مجھ کو کر لیتا ہے رام

اور دسمبر کی یخ بستہ سردی میں بچھڑے ہوئے ساتھی کے لوٹ آنے کے حوالے سے یہ خوب صورت شعر

لوٹ آتے ہو تم دسمبر میں — میرا کتنا خیال کرتے ہو

تمثیلہ لطیف کے شعری مجموعہ ''دشت میں دیپ جلے'' کی غزلوں میں ایک نمایاں پہلو ایک خاص تیور کے اشعار کا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماضی کی بے بس خواتین کے برعکس دورِ حاضر میں ظلم و ستم سہنے والی خواتین اپنی انا اور خودداری کی بھی پوری طرح پاسداری کرتی ہیں۔

مجھ سے کوئی سوال مت کرنا
ورنہ میں بھی جواب رکھتی ہوں

بے وفا تُو بھی یاد رکھے گا
میں نے کچھ اور دل میں ٹھانی ہے

تمثیلہ اک بار سہی
اس کی نیند اڑانی ہے

دھیان میں رکھنا ، تم کو بھی
پڑ سکتا ہے مجھ سے کام

غور سے سن لو، محبت میں انا رکھتی ہوں میں
لوٹ جاؤں جس پہ ایسا راستہ رکھتی ہوں میں

غرضیکہ تمثیلہ لطیف کی شاعری میں جہاں دکھوں کو سہتی ہوئی کسی حد تک مایوس لڑکی نظر آتی ہے وہیں تیکھے تیور رکھنے والی ایک خوددار اور خود اعتماد لڑکی بھی ملتی ہے۔زندگی ہر طرح کے حالات و واقعات سے بھری ہوئی ہے اور ایک تخلیق کار بھی مختلف ادوار کی مختلف کیفیات کو اپنی تخلیقات میں سموتا رہتا ہے۔تمثیلہ لطیف نے بھی یہی کچھ کیا ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ شاعری کے فنی تقاضوں کو بھی اپنی کئی ہم عصر شاعرات کے مقابلے میں زیادہ بہتر انداز میں پورا کیا ہے جس سے یقیناً اس کی شاعری کی قدرو قیمت اور وقعت وعظمت بڑھی ہے۔

تمثیلہ لطیف کے ساتھ میرا روبہ رو تعارف چند ماہ قبل اوائل ۲۰۱۶ء میں ہوا تھا مگر یہ دو تین ملاقاتوں تک ہی محدود ہے۔البتہ اپنی صلاحیتوں کے سبب وہ ہمارے اکیس برس سے جاری ادبی رسالہ سہ ماہی ’’خیال وفن‘‘ کی ٹیم کا حصہ بن چکی ہے اور بطور نائب مدیرہ اپنی ذمہ داریاں نبھا رہی ہے۔اس کا یہ زیرِ نظر مجموعہ شائع تو ہو ہی جانا تھا مگر شاید یہ مرحلہ دو تین سال کے بعد آتا۔ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے مسودہ جلد مکمل کرنے کی تلقین کی تھی اور اس نے دو مہینوں ہی میں یہ کارِ مشکل انجام دے لیا ہے۔۔۔ع ۔۔۔انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد۔۔۔تمثیلہ لطیف کے اس شعری مجموعے کو ہم اپنے اشاعتی ادارہ ’’خیال وفن‘‘ پبلشرز لاہور کے زیرِ اہتمام شائع کر رہے ہیں اور اس کی اشاعت کو اپنے ادارے کے لیے اعزاز سمجھتے ہیں۔۔۔ع ۔۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

۱۲ اکتوبر ۲۰۱۶ء

کچھ اپنے بارے میں

104

وقت کی بھی عجیب کہانی ہوتی ہے۔پل میں برسوں کا سفر، جب کچھ بھی پاس نہیں ہوتا تب ہماری سوچیں اور رشتوں کی بے رخیاں خود غرضیاں ہمیں بہت کچھ سکھا جاتی ہیں۔حوصلے اور ہمت کی بھی داستان بہت انوکھی سی ہے۔آج کے اس دور میں انسان اور رشتے ہر لمحہ پل صراط پر ڈگمگاتے جا رہے ہیں۔وقت سے لڑنے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے ہمت کم کی جاتی ہے۔حق چھینے جا رہے ہیں۔انسان کبھی نہیں ہارتا اگر اس کے رشتوں میں خلوص ہو وفا ہو۔وہ تنہا نہ ہو۔وہ دنیا کی نظروں میں کبھی تماشا نہ ہو۔اگر اس کے رشتے باوفا ہوں۔

مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق رہا میرے خاندان میں دور دور تک کسی کا ناتا قلم قبیلے سے نہیں۔مگر مجھے میرے گردونواح کے حالات وواقعات نے قلم سے محبت اور لفظوں کی بساط رقم کرنے کا فن دیا۔خداداد تو یہ علم تھا ہی۔کہتے ہیں کہ ماں باپ کی غیر موجودگی میں رشتے سایہ فگن بن جاتے ہیں۔زندگی خوبصورت ہو جاتی ہے اگر یہ بات درست ہے تو پھر اپنے ہی اپنوں کو درد میں کیوں الجھا دیتے ہیں۔کیوں محرومیوں کا رقص ہمارے سانسوں کے ساتھ جُڑ جاتا ہے۔ہر کوئی جانتا ہے کہ بارہ مہینوں میں بمشکل چار ہی موسم ہوتے ہیں مگر زندگی کے ان گنت رنگوں میں ہمارے اپنے خود غرضی کے موسم ہی کیوں چھوڑ جاتے ہیں۔خود غرضی کا لباس اوڑھے ان کے احساس مر کیوں جاتے ہیں۔وہ زندہ رشتوں کی تدفین کیوں کر دیتے ہیں۔ماں باپ سے ہی زندگی ہوتی ہے، رشتے ہوتے ہیں۔دنیا کے رنگ، خوبصورتیاں اور ایک انہی کی محبتیں بے لوث ہوتی ہیں۔میرے بھی یہ الفاظ یہ انتساب میرے ماں باپ کے نام جن کے بنا دنیا مجھ پر ختم ہوئی، رشتے ختم ہوئے۔اپنے پرائے ہوئے۔

شاعری سے لگاؤ تو سکول کے زمانے سے تھا۔بہت کم عمری میں اکثر میں اخباروں پر لکھی غزلیں، نظمیں سنبھال کر رکھتی۔ان کو وقت بے وقت پڑھتی اور اپنے پاس اخبار کے ان

حصوں کو محفوظ کر لیتی ۔ مجھے اچھا لگتا تھا، شاعری پڑھنا۔ پڑھائی کے ساتھ میری دلچسپی ادب کی طرف زیادہ ہوتی گئی۔ اکثر میرے ابا اخباروں میں چیزیں لاتے اور میں ان اخباروں کے ٹکڑوں کو دیکھے بنا ڈسٹ بن میں نہ پھینکتی۔ یوں میرے خاندان میں تو کوئی بھی اس لگاؤ سے وابستہ نہیں تھا۔ مگر مجھے خوب لگاؤ تھا ادب سے۔ وقت کے ساتھ آٹھویں کلاس میں قدم رکھا تو پہلا شعر کہا:

دامن میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں رہا
الجھی ہے جب سے آنکھ مری کائنات میں

پھر باقاعدہ لکھنے کے آغاز پر توجہ دی۔ میٹرک کرنے کے ساتھ ساتھ میں ادب سے کافی وابستگی اختیار کر چکی تھی۔ پھر میری پہلی کتاب ''کوئی ہمسفر نہیں ہے'' کے نام سے ۲۰۰۵ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اور اب میرا یہ دوسرا شعری مجموعہ ''دشت میں دیپ جلے'' آپ کے پیشِ خدمت ہے۔ امید کرتی ہوں کہ آپ پڑھنے والے حضرات سراہیں گے۔ ممتاز راشد لاہوری انکل نے مجھے اس قابل سمجھا اور میرے اس شعری سفر کو شعری مجموعہ میں تبدیل کرنے کو کہا۔ میں ان کی بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس مقام تک لانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ میرے لیے بہت مقام رکھتے ہیں۔ قابلِ قدر و قابلِ احترام ہستی ہیں۔ میں جتنا بھی شکر ادا کروں، کم ہے۔ ورنہ شاید ابھی یہ ممکن نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آپ کی رائے کی منتظر

تمثیلہ لطیف

104

حساس اور سچے کھرے لہجے کی شاعرہ تمثیلہ لطیف

الفاظ، اظہارِ بیاں کا واحد ذریعہ ہیں، دل کیفیات، محبتیں، نفرتیں، رنجشیں، شکوے شکایات الفاظ کے رنگ برنگے چولے پہنے کائنات میں وجود پذیر ہیں۔

ایک تخلیق کار اپنے مزاج کے موسموں کے سانچوں میں اپنی تخلیق کی شکلیں بناتا ہے، لفظوں کے موتی پروکر دلکش مالائیں بناتا ہے، پھر یہ مالائیں اپنے فانی وجود پر سجائے اتراتا پھرتا ہے دوست احباب کو دکھاتا ہے ''دیکھو یہ میرے خواب ہیں، یہ میری تخلیق ہے، میری ذاتی سوچ'' مدح کی طلب میں نگر نگر پھرتا ہے، روح کے اندر اضطراب چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتا بے چینی، اپنوں کی سرد مہری، دوستوں کی کج ادائیاں، محبوب کی بے وفائیاں، حرفوں سے لفظ اور لفظوں سے جملے بناتی چلی جاتی ہیں۔

تخلیق کار محوِ حیرت ہے کوئی اس کو مصور کہتا ہے ہے تو کوئی شاعر، کوئی ادیب، حالانکہ اُس نے تو دل کی حکایتیں کہی تھیں۔ زندگی کے پل پل بدلتے رویے لکھے تھے۔ اپنے زخمی وجود کو لفظوں کے لباس پہنائے تھے پھر وہ شاعری کب بن گئی۔ شاید یہ شاعرہ بھی اس بات سے بے خبر ہے جو برہنہ سر ''دشت میں دیپ جلے'' لکھ رہی ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت شعر لکھ رہی ہے، وہ زندگی کے کرب سے بے حال ہے لیکن اس امید، ہمت اور محبت کے دیپ جلانے میں کوشاں ہے، تمثیلہ لطیف غزل، نظم اور نثر کے میدان میں نیا نام نہیں ہے، ہاں اُس کا خاموش سفر گُم سُم ضرور ہے لیکن جذبات سے معمور ہے، حقیقت کا پوری طرح ادراک رکھتی ہے، کہتی ہے

ے

میری قسمت میں اُس کا پیار نہیں   میں ہتھیلی دِکھا چکی کب کی 104

اور ۔۔۔   دُکھ ہی دُکھ لپٹے ہیں جسم و رُوح سے   ہر خوشی مجھ سے خفا ہے اور میں

مایوسی کی اس دردناک اَتھاہ گہرائی میں بھی یہ باہمت شاعرہ اپنا راستہ بناتی چلی جاتی ہے اور کہتی ہے

ے

مجھ سے کوئی سوال مت کرنا   ورنہ میں بھی جواب رکھتی ہُوں

راز دل کا بتا گئے آنسو   راز دل کا بتا گئے آنسو جِیون اک گورکھ دھندا جو کہانی چھپا گئی آنکھیں ہے وہ کہانی سُنا گئے آنسو اپنے دامِ اُلفت میں الجھانے کو بے تاب رہتا ہے، تو شاعرہ کا ضبط ٹُوٹ جاتا ہے:

دلی کیفیات کو شعروں کے سانچے میں ڈھالتی جاتی معصوم اور کھری شاعرہ تمثیلہ لطیف کے کچھ اشعار اس لیے تو سُنا نہیں سکتی   میری سب سے الگ کہانی ہے

قابل لائی ہُوں دونوں جہاں دے کر اُسے   کیا محبت بھی کبھی مہنگی پڑی ذکر ہیں:

جب سے دامن چھڑا لیا تُو نے   جم گیا ہے مِرا لہو مجھ میں

شہر ہی شہر ہے مِرے اندر   دشت پھیلا ہے چار سُو مجھ میں

ساتھ ہمارے بیٹھو، ہم سے بات کرو   ایک سہانی شام ہمارے سر پر ہے

انسانیت کے حُسن سے سجے ہوئے یہ خُوبصورت اشعار اِس شاعرہ کے قد کا تعین کر رہے ہیں، مگر وہ اُداس ہے:

جس طرف جاؤں بھٹک جاتی ہُوں میں   جانے کیوں ہر راستہ ناراض ہے

ریت اُڑتی ہے مِرے چاروں طرف   مجھ سے ساون کی گھٹا ناراض ہے

میں زورِ قلم میں اضافے کی دعاؤں کے ساتھ اِس حسّاس شاعرہ کے کلام پر خوب ستائش و داد پیش کرتی ہُوں۔

ثمینہ سید (سمن آباد، لاہور)

104

o

افسردہ طبیعت کے آثار نہیں رہتے
بیمار مدینے میں بیمار نہیں رہتے

پڑھتے ہیں درود ان پر پڑھتے ہیں سلام ان پر
عاشق تو کبھی پل بھر بیکار نہیں رہتے

کیا شان ہے طیبہ کی دیکھا ہے وہاں جا کر
لاچار ہوں جیسے بھی لاچار نہیں رہتے

ہیں دونوں جہاں حاصل اُس در کی غلامی میں
سردار وہاں جا کر سردار نہیں رہتے

تمثیلہؔ محمدؐ کا جب ذکر میں کرتی ہوں
پھر راستے جیسے ہوں پُر خار نہیں رہتے

104

o

جب بھی پڑھتی ہوں میں سیرت آپ کی
مانگتی ہوں رب سے نسبت آپ کی

چل رہا ہے یہ جو دنیا کا نظام
اس میں بھی شامل ہے رحمت آپ کی

کھولتی ہوں جب بھی میں قرآن کو
ہر جگہ ہوتی ہے مدحت آپ کی

حسن کو خیرات بخشی آپ نے
ہر طرف پھیلی ہے نکہت آپ کی

آپ کی خاطر بنے دونوں جہاں
دہر میں رونق ہے بابت آپ کی

رہتی ہے تمثیلہؔ ہونٹوں پر دعا
خواب میں دیکھوں میں صورت آپ کی

104

O

تیری خاطر سہی جیا جائے
زخمِ دل کس طرح سیا جائے

مشکل آسان کرنے کی خاطر
نامِ ابنِ علیؑ لیا جائے

نام روشن رہے قیامت تک
کام ایسا کوئی کیا جائے

اپنے اوپر اٹھا کے دکھ سارے
دوسروں کو سکوں دیا جائے

جام تمثیلہ آب نہیں کوئی
زہر اشکوں کا ہی پیا جائے

104

o

تیز بارش ہے ہوا ہے اور میں
ہاتھ پر جلتا دیا ہے اور میں

دکھ ہی دکھ لپٹے ہیں جسم و روح سے
ہر خوشی مجھ سے خفا ہے اور میں

چھوڑ جاتے ہیں مصیبت میں سبھی
اک خدا کا آسرا ہے اور میں

کوئی منزل ہے نہ کوئی ہمسفر
راستہ ہی راستہ ہے اور میں

کوئی تمثیلہؔ یہاں میرا نہیں
میرا دکھ ہی بس مِرا ہے اور میں

104

o

اپنا دکھڑا سنا چکی کب کی
میں اسے آزما چکی کب کی

میری قسمت میں اس کا پیار نہیں
میں ہتھیلی دکھا چکی کب کی

اب تم آئے ہو ، لے کے سازِ حیات
گیت سارے میں گا چکی کب کی

اس کے دل کا مکان چھوڑ دیا
پاس اپنے میں آ چکی کب کی

104

سانس لیتی تھی دیکھ کر جس کو
میں وہ چہرہ بھلا چکی کب کی

جتنے بھی آس کے پرندے ہیں
اپنے دل سے اڑا چکی کب کی

ڈھونڈ سکتا نہیں وہ تمثیلہؔ
مجھ کو تنہائی کھا چکی کب کی

104

o

ہاتھ میں اک کتاب رکھتی ہوں
اور اس میں گلاب رکھتی ہوں

مجھ سے کوئی سوال مت کرنا
ورنہ میں بھی جواب رکھتی ہوں

کس کو کتنا خلوص دینا ہے
اس کا پورا حساب رکھتی ہوں

تم ستاروں کی بات کرتے ہو
پاؤں میں مہتاب رکھتی ہوں

104

لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں
میں بھی آنکھوں میں خواب رکھتی ہوں

کیسی کیسی محبتیں ہیں مجھے
کیسے کیسے عذاب رکھتی ہوں

خود میں تمثیلہؔ ڈوب جاؤں گی
اپنے اندر چناب رکھتی ہوں

104

o

جانے کیسی خطا ہوئی مجھ سے
ساری دنیا خفا ہوئی مجھ سے

کوئی جس کو نبھا سکا نہ یہاں
رسم وہ بھی ادا ہوئی مجھ سے

تھی محبت نماز سے بڑھ کر
رات وہ بھی قضا ہوئی مجھ سے

جب گلے سے لگایا اس نے مجھے
روح میری جدا ہوئی مجھ سے

104

سب جسے دل کا باغ کہتے ہیں
وہ زمیں کربلا ہوئی مجھ سے

جشن کا اہتمام تھا کل شب
یاد اس کی رہا ہوئی مجھ سے

جس نے بھی دل دکھایا تمثیلہؔ
اس کے حق میں دعا ہوئی مجھ سے

104

o

زخم لگانے والے جا
دل ٹکرانے والے جا

ہم جی لیں گے دنیا میں
قسمیں کھانے والے جا

خون کے آنسو روتی ہوں میں
دل تڑپانے والے جا

یاں اب تیرا کوئی نہیں
لوٹ کے آنے والے جا

104

تو ہے ہجر کا مارا مگر
اشک بہانے والے جا

کس کی خاطر آتا ہے تُو
درد جگانے والے جا

تمثیلہؔ کا عشق تھا سچا
دیر سے آنے والے جا

104

o

راز دل کا بتا گئے آنسو
میری آنکھوں میں آ گئے آنسو

اس کا مطلب اداس آنکھوں کو
پھول جیسا بنا گئے آنسو

جو کہانی چھپا گئیں آنکھیں
وہ کہانی سنا گئے آنسو

اس زمیں پر چراغ جلتے رہے
ہم جہاں پر گرا گئے آنسو

104

وہ جو آئے ہیں بعد مرنے کے
سب حقیقت چھپا گئے آنسو

ان کو رونا ہمارا بھایا تھا
ان کی خاطر بہا گئے آنسو

عمر گزری ہے رونے دھونے میں
میری آنکھیں ہی کھا گئے آنسو

جھونکے آئے ہوا کے تمثیلہؔ
نقش سارے مٹا گئے آنسو

104

o

میری آنکھوں میں یہ جو پانی ہے
اک ستمگر کی یہ نشانی ہے

خرچ کرنے سے ڈرتی رہتی ہوں
ہاتھ میں ایک ہی دوانی ہے

اس لئے تو سنا نہیں سکتی
میری سب سے الگ کہانی ہے

بے وفا تُو بھی یاد رکھے گا
میں نے کچھ اور دل میں ٹھانی ہے

(33)

104

یاد کا ہے چڑھا ہُوا دریا
آنسوؤں میں بڑی روانی ہے

آج وہ بھی ہے میرے پہلو میں
اور کچھ شام بھی سہانی ہے

پھر بھی ناراض ہے وہ تمثیلہؔ
جس کی ہر بات میں نے مانی ہے

104

o

میری آنکھوں کو حسیں خواب دکھائے کیوں تھے؟
گر مجھے چھوڑ کے جانا تھا تو آئے کیوں تھے؟

ان کا انجام عداوت پہ اگر رکھنا تھا
دل میں ارمان محبت کے جگائے کیوں تھے؟

میری پلکوں پہ نمی بن کے ٹھہرنے والے
گیت الفت کے کسی دور میں گائے کیوں تھے؟

ہیں جو روشن ترے دل میں مری چاہت کے چراغ
ہجر کے زخم مرے دل میں لگائے کیوں تھے؟

104

مجھ کو رکھنا جو نہیں تھا تمھیں پھولوں کی طرح
باغ سے پھول مرے واسطے لائے کیوں تھے؟

تجھ کو آنا تھا ہوا بن کے اگر میری طرف
تو نے پلکوں پہ دیے میری جلائے کیوں تھے؟

آج تمثیلہؔ وہ چاہت کا بھرم توڑ گیا
اس کے رستے میں بھلا نین بچھائے کیوں تھے؟

104

o

تیرگی میں روشنی مہنگی پڑی
چاند سے بھی دوستی مہنگی پڑی

اب زمیں پر پھر رہے ہیں در بہ در
آسماں سے دشمنی مہنگی پڑی

لائی ہوں دونوں جہاں دے کر اسے
کیا محبت بھی کبھی مہنگی پڑی

عمر بھر کے دکھ گنوانے پڑ گئے
زندگی میں اک خوشی مہنگی پڑی

ایک دل تھا اور وہ جاتا رہا
اہلِ دل کو دل لگی مہنگی پڑی

ہم نے تمثیلہؔ اٹھائے دکھ ہی دکھ
سچ تو یہ ہے زندگی مہنگی پڑی

104

o

تمہاری یاد کا سر پر یہ آنچل کیوں نہیں رہتا
بہت ہی دیر تک آنکھوں میں بادل کیوں نہیں رہتا

میں ہنستی ہوں تو میری آنکھ سے آنسو چھلکتے ہیں
میری آنکھوں کی جھیلوں میں یہ کاجل کیوں نہیں رہتا

میرے ویران کوچے میں ٹھہرتا ہی نہیں آکر
وہ میرے پاس آکر بھی مسلسل کیوں نہیں رہتا

وہ میری زندگانی کا اثاثہ بن گیا پھر بھی
وہ میری زندگانی میں مکمل کیوں نہیں رہتا

بہت دن سے میں تمثیلہؔ اسی کو یاد کرتی ہوں
میری ویران گلیوں میں وہ پاگل کیوں نہیں رہتا

104

o

چاہتوں کا صلہ نہیں کچھ بھی
ہم کو دیکھو ملا نہیں کچھ بھی

عزم منزل پہ لے کے جاتا ہے
آبلہ ، آبلہ نہیں کچھ بھی

تُو اگر ساتھ ہے تو سب کچھ ہے
بِن ترے حوصلہ نہیں کچھ بھی

اک مسافر ہی خاص ہوتا ہے
ورنہ تو قافلہ نہیں کچھ بھی

اتنی میں تھک گئی ہوں تمثیلہؔ
مجھ میں اب حوصلہ نہیں کچھ بھی

104

o

میرا ، میرے سوا نہیں کوئی
پھر بھی لب پر گلہ نہیں کوئی

جو مِرے ساتھ ساتھ چلتا ہو
ایسا تو راستہ نہیں کوئی

جان و دل ہم نثار کر دیتے
سچ تو یہ ہے ملا نہیں کوئی

اشک ٹھہرے ہیں بے اثر
میرے
جانے والا رُکا نہیں کوئی

کیسے تمثیلہؔ خود کو سمجھاؤں
اِس جہاں میں مِرا نہیں کوئی

104

o

کیسی جاگی ہے آرزو مجھ میں
تُو نظر آئے، توُ ہی تُو مجھ میں

جب سے دامن چھڑا لیا تُو نے
جم گیا ہے مِرا لہو مجھ میں

جن کی تم کو تلاش رہتی ہے
خوبیاں ہیں وہ ہو بہ ہو مجھ میں

شہر ہی شہر ہے مِرے اندر
دشت پھیلا ہے چار سُو مجھ میں

آنکھیں تمثیلہؔ بھیگی رہتی ہیں
کوئی بہتی ہے آب جُو مجھ میں

104

o

کوئی نہیں غم خوار سکھی
جینا ہے دشوار سکھی

رستے میں دکھ کا دریا
جانا ہے اُس پار سکھی

اُس نے ہاتھ چھڑایا تو
جیون ہے بیکار سکھی

جس در پہ بھی دستک دوں
ہو جائے دیوار سکھی

یہ تو کیا نہیں جاتا ہے
ہو جاتا ہے پیار سکھی

بعد میں دکھ ہی ملتے ہیں
مت کرنا اقرار سکھی

رہنے لگی ہے تمثیلہؔ
کچھ دن سے بیزار سکھی

104

جیون درد کہانی ہے
سب کی آنکھ میں پانی ہے
تو بھی چھوڑ گیا مجھ کو
دکھ تو نہیں حیرانی ہے
ویرانہ ہے باہر بھی
اندر بھی ویرانی ہے
کوئی پاس نہیں میرے
آج کی شام سہانی ہے

مجھ کو بہتے پانی پر
اک تصویر بنانی ہے

ڈوب نہ جائیں میرے خواب
اشکوں میں طغیانی ہے

ہاتھ لگاتے ڈرتی ہوں
ہر اک چیز پرانی ہے

تمثیلہؔ اک بار سہی
اس کی نیند اڑانی ہے

104

درد فسانے لکھتی ہوں
سارے لمحے لکھتی ہوں
جن پر چلنا سیکھا تھا
وہ سب رستے لکھتی ہوں
جو بھی رشتے ٹوٹ گئے
ان کے بارے لکھتی ہوں
بوجھل آنکھیں رہتی ہیں
بوجھل چہرے لکھتی ہوں
دل کے کورے کاغذ پر
موسم بھیگے لکھتی ہوں
جو بھی ملنے آتے ہیں
لوگ بھی اچھے لکھتی ہوں
دل پر موسم یادوں کے
ٹھنڈے میٹھے لکھتی ہوں
تمثیلہؔ میں ان کے لیے
کیسے قصّے لکھتی ہوں

104

o

کسی کا دل دکھانے سے محبت روٹھ جاتی ہے
نگاہِ غیر آنے سے محبت روٹھ جاتی ہے

دلِ ناداں کی اہمیت بہت ہوتی ہے چاہت میں
غمِ جاناں مٹانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

وفائے یار میں سود و زیاں معنی نہیں رکھتے
کہ وعدے بھول جانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

جو دل میں آ سمایا ہے اسے دل میں سدا رکھنا
نیا چہرہ بسانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

104

قیامِ عشق واجب ہے جسے ہم خود نبھائیں گے
مگر دامن چھڑانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

محبت خود نمائی کا کبھی حصہ نہیں ہوتی
کسی کو آزمانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

زمانہ تو ہمیشہ زخم ہی دیتا ہے دنیا میں
بہت آنسو بہانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

شبِ تنہائی تمثیلہؔ ہمیں جینے نہیں دیتی
نئی شمع جلانے سے محبت روٹھ جاتی ہے

104

o

دل والوں کا ساتھ نبھانا پڑتا ہے
اشکوں سے ہر دیپ جلانا پڑتا ہے

دیوانے جب آجاتے ہیں محفل میں
ان کو دل کا حال سنانا پڑتا ہے

ہو جاتی ہیں بوجھل نیند سے آنکھیں بھی
خود کو ساری رات جگانا پڑتا ہے

جگنو اکثر رات کو نکلا کرتے ہیں
مُٹھی میں پھر چاند چھپانا پڑتا ہے

مر جائیں جو لوگ ہماری دنیا میں
رسماً ان کی قبر پہ جانا پڑتا ہے

دُشمن جب دہلیز پہ اپنی آجائے
سینے سے بھی یار لگانا پڑتا ہے

تمثیلہؔ جو لوگ بھُلا دیں اپنوں کو
اُن کا دل سے پیار بھلانا پڑتا ہے

104

ادھورا چاند

ادھورے چاند کی روشنی
ایسا لگتا ہے
جیسے صدیوں سے
کوئی
بیمار پریمی
موت کو
رفتہ رفتہ
دوست بنا رہا ہو

ایک شعر

آتشِ عشق کے بارے میں نہ پوچھو ہم سے
ہم نے جلتا ہوا آنکھوں میں سمندر دیکھا

104

سانحہ پشاور

جانے کتنے چراغ جلتے تھے
میری دھرتی کی درس گاہوں پر
مار ڈالا ہے کن یزیدوں نے
ایک مقتل ہے خواب گاہوں پر

آرزوؤں کا قتل کر ڈالا
دل پہ ایسی خراش دیکھی ہے
میں نے ماؤں کے بین دیکھے ہیں
میں نے بیٹے کی لاش دیکھی ہے

میری گڑیا کے ایک بستے میں
کچھ کھلونے تھے ایک دلہن تھی
جس کو اس نے سجا کے رکھا تھا
ایک دولھے کے دل کی دھڑکن تھی

104

جانے کس نے یہ ظلم ڈھایا ہے
سب کی لاشوں پہ خون بکھرا ہے
سب کی ماؤں کے بال الجھے ہیں
اور آنکھوں میں خون بکھرا ہے

درس گاہوں پہ کون بھیجے گا
سب کے دل پر یہ خوف طاری ہے
کربلا کا عجیب ہے منظر
ایک ماتم ہے آہ و زاری ہے

بجھ گئے ہیں چراغ دھرتی کے
حسرتیں بھی تمام مدفن ہیں
چند آنسو بہا کے سو جاؤ
سب شہیدوں کے نام مدفن ہیں

o

104

o

یہ دل اندر سے اب سویا ہوا ہے
مسافر نیند میں کھویا ہوا ہے

یہ آنکھیں سرخ ہیں رنج و الم میں
کسی کے سوگ میں رویا ہوا ہے

یہ دامن بھی تو اپنے آنسوؤں سے
ہمی نے اس طرح دھویا ہوا ہے

یہ دل ہے کب سے تنہائی میں گُم سُم
تری یادوں میں کیوں کھویا ہوا ہے

104

o

سورج کے پاؤں میں ہے زنجیر آرزو کی
پھر شام نے بنائی تصویر آرزو کی

اک خط بہا دیا تھا آنکھوں کی آب جُو میں
بھیجی ہے پھر کسی کو تحریر آرزو کی

چاروں طرف ہے پھیلی کچھ خوفناک وحشت
کیسی عجیب سی ہے تعبیر آرزو کی

ان تیز دھڑکنوں کو اب لفظ دے دو ورنہ
لے جائے پیچھے صدیوں تاخیر آرزو کی

اچھی نہیں ہے اتنی ہونٹوں کی بستیوں میں
رسوائی خواہشوں کی تاخیر آرزو کی

چاہا ہے میرے دل نے تمثیلہؔ پھر کسی کو
اب دیکھتے ہیں کیا ہے تقدیر آرزو کی

104

o

اُس کے ساتھ چلنے کا فیصلہ غلط نکلا
جس کو ٹھیک سمجھا تھا ہمنوا غلط نکلا

عمر بھر چلی لیکن پا سکی نہ منزل کو
میں نے جو چُنا تھا وہ راستہ غلط نکلا

خط کسی کو لکھے تھے ہو گئے کسی کی نذر
بعد میں کھُلا مجھ پر رابطہ غلط نکلا

جس قدر منظم تھے اُس قدر ہوئے رسوا
اپنی زندگی کا ہر ضابطہ غلط نکلا

اعتبار کیا کرنا اب کسی پہ تمثیلہؔ
جس پہ ہاتھ رکھا وہ آسرا غلط نکلا

104

o

قفل دل کو لگا دیا جائے
یعنی سب کو بھُلا دیا جائے

ہم اگر مل نہیں سکے تو کیا
دوسروں کو ملا دیا جائے

جس میں انصاف مل نہ پائے کبھی
اُس نگر کو جلا دیا جائے

وہ جو پتھر بنے ہوئے ہیں یہاں
راستے سے ہٹا دیا جائے

ہر طرف دکھ ہی دکھ ہیں تمثیلہؔ
اب تو مجھ کو رُلا دیا جائے

104

تین اشعار

زندگی کا حال لکھا جا چکا
کیسے گزرا سال لکھا جا چکا

سچ کہوں تو ذہن کی دہلیز پر
اُس کا خد و خال لکھا جا چکا

زندگانی کے نئے اوراق پر
سازشوں کا جال لکھا جا چکا

104

o

وفا کا شہر جھلسا جا رہا ہے
ہوا کا شہر جھلسا جا رہا ہے

میں سنتی پھر رہی ہوں کیا صدائیں
دعا کا شہر جھلسا جا رہا ہے

کوئی صحرا میں آنسو کیا بہائے
صدا کا شہر جھلسا جا رہا ہے

104

تین اشعار

عشق کے کھیل ہی نرالے ہیں
کچھ اندھیرے ہیں کچھ اجالے ہیں

یہ کرشمے ہیں سب محبت کے
جو بھی ڈوبے ہیں وہ سنبھالے ہیں

اپنا دامن نہیں رہا خالی
دکھ زمانے کے ہم نے پالے ہیں

104

o

چاہتوں کا خیال رکھنا
دردِ دل کو سنبھال رکھنا

عشق کی پہلی ہے علامت
چہرے کو پُر ملال رکھنا۔

قصۂ غم ہے مختصر سا
آنکھ میں اشک پال رکھنا

ہر کسی کو ہو حسرتِ دید
ایسا حسن و جمال رکھنا

فاصلے بھی نہ ہونگے حائل
رابطوں کو بحال رکھنا

دشمنی سرسری سی لیکن
دوستی بے مثال رکھنا

تیری یادوں کے جگنوؤں میں
ہجر میں بھی وصال رکھنا

104

O

زلزلوں کا خوف دل میں رہ گیا
وحشتوں کا خوف دل میں رہ گیا

وہ بچھڑ نہ جائے رستے میں کہیں
وسوسوں کا خوف دل میں رہ گیا

گھر کے خستہ بام و در کو دیکھنا
بارشوں کا خوف دل میں رہ گیا

خواب ریزہ ہو گئے ہیں وہ سبھی
کرچیوں کا خوف دل میں رہ گیا

بجھ نہ جائے یہ چراغِ زندگی
آندھیوں کا خوف دل میں رہ گیا

خوف آتا ہے دسمبر سے مجھے
موسموں کا خوف دل میں رہ گیا

کس طرح سے کاٹتے ہیں زندگی
بے گھروں کا خوف دل میں رہ گیا

104

o

دنیا کا ہر کام ہمارے سر پر ہے
نفرت کا الزام ہمارے سر پر ہے

ساتھ ہمارے بیٹھو ہم سے بات کرو
ایک سہانی شام ہمارے سر پر ہے

ایک محبت جس کو اب تک بھول نہ پائے
چاہت وہ ناکام ہمارے سر پر ہے

غم سے ہے ''بھرپور'' ہماری دنیا بھی
ہر احساس کا دام ہمارے سر پر ہے

ہم جس کو تمثیلہؔ بھول نہیں پائے
وہ تو ہر اک گام ہمارے سر پر ہے

104

o

تم بھی ہمدم کمال کرتے ہو
جانے کیا کیا سوال کرتے ہو

اپنی یادوں سے اپنی باتوں سے
میرا جینا محال کرتے ہو

لوٹ آتے ہو میرے خوابوں میں
میری آنکھیں نڈھال کرتے ہو

زخم دیتے ہو اپنی یادوں کے
کتنا مشکل یہ حال کرتے ہو

ایک پَل میں جو ٹُوٹ جاتے ہیں
کیوں وہ رشتے بحال کرتے ہو

لوٹ آئے ہو تم دسمبر میں
میرا کتنا خیال کرتے ہو

104

عہد

چلو اک عہد کرتے ہیں
بچھڑنے کا نہ تم سوچو
نہ میں سوچوں
نہ ہم اک دوسرے کی بات کو
ایسے ہی ٹھکرائیں
چلو الفت بھرے الفاظ کو تحریر کرتے ہیں
عداوت چھوڑ دیتے ہیں
وفا کی کچھ نئی رسمیں بناتے ہیں
شبِ اظہار میں
ہونٹوں سے نکلے
ربط و الفت کے
سبھی جذبے
وفا کی نذر کرتے ہیں
چلو یہ عہد کرتے ہیں

104

o

ہم تیرا بُت بنا کر اس دل میں پوجتے ہیں
بس تم کو سوچتے ہیں بس تم کو سوچتے ہیں

رشتے یہ الفتوں کے تم سوچ کر بناؤ
یہ ایک بار بن کر مشکل سے ٹُوٹتے ہیں

ایسے نہیں بکھرتا پتھر سے آئینہ بھی
تیری جفا سے ظالم ہم جیسے ٹُوٹتے ہیں

چاہت رُتوں میں جیسے جگنو ہَوا میں ٹھہریں
وہ اس طرح ہمارے خوابوں میں گھومتے ہیں

آنکھوں سے ہو رہی ہے آنکھوں کی بوسہ بازی
آنکھوں سے اس کی اکثر آنکھوں کو چومتے ہیں

رہزن کے ہے مقابل اک رہزن لٹیرا
غم ہم کو لُوٹتے ہیں ، ہم غم کو لُوٹتے ہیں

ہم کو نہیں سلیقہ اپنوں سے روٹھنے کا
ہو روٹھنا اگر تو ہم خود سے روٹھتے ہیں

104

o

اک پَل دکھوں کے موسم اک پَل خوشی کے موسم
ہر پَل بدل رہے ہیں اس زندگی کے موسم

جب یہ نہ کٹ سکے تو ہم خود ہی کٹ گئے ہیں
جب کاٹنے پڑے ہیں تری بے رخی کے موسم

حُسنِ جہاں سے مجھ کو ، اب کچھ غرض نہیں ہے
ہیں میری زندگی میں تری سادگی کے موسم

احوال کچھ بتاؤ چلتی ہوئی ہواؤ
اب بھی ہیں کیا سہانے اس کی گلی کے موسم

ہم سے بچھڑ کے پھر بھی ہوتے نہیں جدا یہ
بستے ہیں دل نگر میں جس دلبری کے موسم

چلتے ہیں تھم تھما کے سانس اور دل کے ناتے
ہم کو ستا رہے ہیں اب بے کلی کے موسم

تمثیلہؔ ہو گئی ہے ویران بے بسی سے
کچھ اس طرح ملے ہیں اسے بے بسی کے موسم

104

مقدر

جب اندھیرے ہی یہ ٹھہرے ہیں مقدر میرا
پھر سرِ شام چراغوں کو جلاؤں کیسے؟
اپنی آنکھوں میں کوئی خواب سجاؤں کیسے
تنکا تنکا تو ہواؤں نے بکھیرا ہے مرا
اب دوبارہ سے نشیمن میں بناؤں کیسے؟
تُو نے جو زخم دیے دل میں چھپا کر رکھے
حالِ دل تُو ہی بتا سب کو سناؤں کیسے؟
عہدِ رفتہ کی ہر اک یاد رلائے مجھ کو
اب کسی وقت کہیں چین نہ آئے مجھ کو
یہ میرے خواب ہیں کیا؟ ان کی حقیقت کیا ہے؟
مجھ کو معلوم نہیں اصل محبت کیا ہے؟

104

ہم تو روتے ہیں تڑپتے ہیں

سسکتے ہیں ابھی

یہ اندھیرے تو ہر اک موڑ پہ ڈستے ہیں ابھی

میں نے چاہا تھا کہ آنکھوں میں سجالوں سپنے

مجھ کو معلوم نہ تھا سپنے بکھر جاتے ہیں

دل میں جو رہتے ہیں وہ

دل سے اتر جاتے ہیں

ہم نے ہر لمحہ اندھیروں سے بغاوت کی ہے

روشنی تجھ سے فقط تجھ سے محبت کی ہے

میں نے ہر گام پہ لیکن ہیں اندھیرے پائے

ہائے تقدیر مجھے کیسی ملی ہے مولا؟

104

مرحوم والد صاحب کے نام

مرے بابا! کہاں ہو تم
پلٹ آؤ کہ دنیا اب
مجھے جینے نہیں دیتی
کوئی سنتا نہیں میری فغاں اب تو
تمھارا جانا
اِک بھیانک خواب لگتا ہے
بھری دنیا میں اب تنہا، ہے تمثیلہ
چلے آؤ، مرے بابا!
مرا سینہ ہے چھلنی، سانحہ جو ہو گیا بابا!
تمھارے بعد کوئی بھی نہیں میرا

104

خواب

چلو ہم خواب ہو جائیں
نئی رت ہے
نیا موسم بھی آیا ہے
تمھارے وصل کی خوشیوں
میں ہم بے تاب ہو جائیں
چلو ہم خواب ہو جائیں!

موت

چاہتوں کی قبروں پر
اک دیا جلانا ہے
پھول بھی بچھانے ہیں
سوگ بھی منانا ہے

O

104

اس کو ہر پَل ستاؤں آنچل سے
جب میں چہرہ چھپاؤں آنچل سے

پھول مجھ کو سمجھ کے آجائیں
تتلیوں کو اڑاؤں آنچل سے

لڑکیاں جس کے نیچے ہوں محفوظ
ایسا پرچم بناؤں آنچل سے

اُڑ کے آؤں گی تیرے پاس کبھی
چاند کو میں بتاؤں آنچل سے

شوق رہتا ہے خودکُشی کا مجھے
روز پھندہ بناؤں آنچل سے

میرا تمثیلہ کوئی ہے اُس پار
روز جس کو بلاؤں آنچل سے

104

o

پھیلی ہوئی ہے ہر سُو خوشبو مِرے چمن کی
ہر چیز سے ہے پیاری مٹی مجھے وطن کی

سب سے جدا ادا ہے سب سے حسین تر ہے
ہوگی مثال کوئی اُس شوخ سے بدن کی

ہلکان ہو رہے ہیں زر کی ہوس میں ناداں
سونے سے کب بنی ہے چادر کبھی کفن کی

ہر لمحۂ محبت اک خواب کی طرح تھا
اب بھی ہے یاد مجھ کو وہ رات اک ملن کی

104

تپتی ہوئی زمیں پہ کیسے کھلیں گی کلیاں
پھولوں کو یہ تمازت راس آئے کیوں جلن کی

امید اک ملن کی رہتی ہے روز دل میں
سورج ڈھلے تو آئے پھر یاد اُس سجن کی

رنج و الم کے سائے تمثیلہؔ دل پہ چھائے
ہر پھول میں چھپی ہے اک داستاں چبھن کی

والدہ مرحومہ کے نام

104

میں ایک مدت سے اپنی ماں کے
اداس لہجے کو سوچتی ہوں
تو ایسے لگتا ہے جیسے میں نے
اندھیر نگری کے وسوسوں میں
کہیں چراغوں کی روشنی کو
بجھا دیا ہو
میں اپنی ماں کے
اداس لہجے کو سن رہی ہوں
وہ کہہ رہی ہے طویل راتوں کے سب اندھیروں میں
روشنی کو ترس رہی ہو؟
تمہیں پتہ ہے بپھرتی لہروں کے
سب سمندر بھی تیری آنکھوں میں رقص کرتے
بھنور کی صورت بکھر رہے ہیں
تمھاری سوچوں میں اب زمانے کی داستانوں
کے قافلے ہیں!
کہیں یہ صحرا کی دھوپ آنکھوں میں
دھیرے دھیرے اتر رہی ہے
تمھارے بالوں میں رقص کرتی ہوئی یہ
مٹی عجیب وحشت اگا رہی ہے
میں اپنی ماں کے اداس چہرے کے
دشت وصحرا کی وسعتوں کے
قدیم منظر پہ رو رہی ہوں
کہ اس کی آنکھیں مسافتوں کے سفر میں گم ہیں
میں اس کی دوری کی یہ مسافت
نہ جانے کب تک سہہ سکوں گی

104

میں اس زمانے کی وحشتوں میں
نئے چراغوں کو کس طرح سے جلا سکوں گی؟
میں اپنے گھر کی خستہ حالی کو دیکھتی ہوں
تو سوچتی ہوں میں ایک تنہا
اداس لڑکی
عجیب لوگوں میں آبسی ہوں
بس ایک سایا جو میری ہمت بڑھا رہا ہے
وہ کہہ رہا ہے کہ تم زمانے کی ہر برائی کو
نیکیوں میں بدل کے دیکھو
زمانے والوں سے لڑ کے دیکھو
بجھے چراغوں کو پھر سے گھر میں
جلا کے دیکھو
میں اپنی ماں سے یہ کہہ رہی ہوں
تمھاری آنکھوں میں آنسوؤں کے
سمندروں سے مجھے گلہ ہے
تمھیں خبر ہے تمھاری بیٹی
لٹے زمانوں کے قافلوں میں
تمھاری یادوں کے زخم لے کر
یہ کیسی بستی میں آبسی ہے
میں اپنی ماں سے یہ کہہ رہی ہوں
میں ایک مدت سے اپنی وحشت کے
سارے لمحے گزارتی ہوں
تمھیں میں اکثر پکارتی ہوں

104

o

دکھ پرایا ہو یا اپنا نہیں دیکھا جاتا
رونے والا کوئی چہرہ نہیں دیکھا جاتا

سوچنا پڑتا ہے سو بار، مگر جب ہو جائے
پھر محبت میں خسارہ نہیں دیکھا جاتا

میں تو فرقت میں کسی وقت بھی مر سکتی ہوں
خود کو اب اور اکیلا نہیں دیکھا جاتا

کر گیا آنکھیں سمندر جو کہا کرتا تھا
ایک آنسو بھی تمھارا نہیں دیکھا جاتا

104

میں ترے ساتھ گزرتی تھی جہاں سے ہر روز
اپنی آنکھوں سے وہ رستہ نہیں دیکھا جاتا

توڑ ڈالوں گی کسی روز کھلونے سارے
مجھ سے ہر روز تماشا نہیں دیکھا جاتا

جب سے تمثیلہ مجھے چھوڑ گیا ہے کوئی
چاند کے ساتھ ستارہ نہیں دیکھا جاتا

104

o

غم کی کالی رات میں ہمدم چاند مرا ہمراز رہا
دکھ کی ہر سوغات میں ہمدم چاند مرا ہمراز رہا

تیری یاد میں ہر شب دل میں دردِ محبت بڑھتا ہے
پیار کی ہر ایک بات میں ہمدم چاند مرا ہمراز رہا

پیار تو جان کی بازی ہے بس اس کو کھیل کے دیکھو تم
چاہت کی ہر بات میں ہمدم چاند مرا ہمراز رہا

میں نے خود کو جان لیا ہے کیا ہے مری ہستی جاناں
سچ پوچھو اوقات میں ہمدم چاند مرا ہمراز رہا

تمثیلہؔ یہ لوگ ہمیشہ ہم پر ظلم ہی کرتے ہیں
نفرت کی ہر گھات میں ہمدم چاند مرا ہمراز رہا

O

104

آپ کا حسنِ نظر ہے اور ہم
دیکھیے جی آپ کے قابل نہیں

دنیا داری میں اچانک کھو گئے
تیری یادوں سے کبھی غافل نہیں

قتل کی سازش میں کتنے لوگ ہیں
میں بھی تو ان میں کہیں شامل نہیں

کس کو منصف ہم کریں اس دور میں
کوئی بھی اس دور میں عادل نہیں

میں جسے دل دے چکی ہوں دوستو
کیا وہی میرا کہیں قاتل نہیں

تُو جسے ڈھونڈا کرے ہے چار سُو
کیا تری میں آخری منزل نہیں؟

104

o

رتجگوں کے عذابوں سے نکلی ہوئی ایک لڑکی ہُوں مَیں
تیرے سارے ہی خوابوں سے نکلی ہوئی ایک لڑکی ہوں مَیں

تم تو اپنے سوالوں میں گم ہی رہے اور الجھے رہے
کوئی مشکل جوابوں سے نکلی ہوئی ایک لڑکی ہُوں مَیں

تم جسے لکھ رہے ہو زمانے کی الجھی ہوئی زندگی
کیا انہی انتخابوں سے نکلی ہوئی ایک لڑکی ہُوں مَیں

جس کی خوشبو کو محسوس کرتے ہو تم ، میں وہی تو نہیں
اور مہکتے گلابوں سے نکلی ہوئی ایک لڑکی ہُوں مَیں

تم نے صحراؤں میں جس کو ڈھونڈا وہی ایک سسّی بنی
آنکھ کے سرابوں سے نکلی ہوی ایک لڑکی ہُوں مَیں

104

o

محبت کے شام و قمر دیکھ لوں گی
تمھیں میں کبھی اِک نظر دیکھ لوں گی

چلوں گی کبھی دشت و دریا کو بھی میں
ترے ساتھ مشکل سفر دیکھ لوں گی

تلاطم سے موجوں سے ڈرتی نہیں ہوں
سمندر میں پڑتے بھنور دیکھ لوں گی

ترا ساتھ میرے لیے ہے ضروری
میں سب راستے پُر خطر دیکھ لوں گی

104

ذرا دیر ٹھہروں گی تیری گلی میں
چمکتے ہوئے بام و در دیکھ لوں گی

مرے بعد تم نے بسایا ہے کس کا
کسی روز آ کر وہ گھر دیکھ لوں گی

تمھیں اپنے مولا سے مانگوں گی اک دن
دعاؤں کا اپنی اثر دیکھ لوں گی

خدا میرے بیٹے کی عظمت بڑھائے
اسے ہر گھڑی ہر سفر دیکھ لوں گی

104

جمیل چہرے کے نام

ساون رُت کی رات ہو دشت میں دیپ جلے
تجھ سے میری بات ہو دشت میں دیپ جلے

صحراؤں کی پیاس بجھے ان آنکھوں سے
آنکھوں سے برسات ہو دشت میں دیپ جلے

ساری دنیا دیکھ کے ہم کو جل جائے
ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہودشت میں دیپ جلے

خواہش ہے کہ خوشحالی کے دیپ جلیں
تُو بھی میرے ساتھ ہو دشت میں دیپ جلے

104

سوچوں کے اوراق پہ مہکی تحریریں
ہاتھوں میں تورات ہو دشت میں دیپ جلے

تُو ہو تیری یاد کا موسم آنگن میں
اشکوں کی بارات ہو دشت میں دیپ جلے

مر جاؤں تو تمثیلہؔ یہ خواہش ہے
لب پر تیری ذات ہو دشت میں دیپ جلے

104

o

کچھ یوں پکڑ کے دل نے رہ میں بچھائی آنکھیں
بے ساختہ ڈگر پر ہم نے سجائی آنکھیں

دیکھا نہیں نظر نے اُن کو نظر اٹھا کے
اشکوں میں اپنے خود ہی شب بھر نہائی آنکھیں

اِس دھوپ کے نگر میں اپنا بدن جلا کے
خوابوں کی خواہشوں میں ہم نے جلائی آنکھیں

تم، رو بہ رو تو چھوڑو، خوابوں میں بھی نہیں ہو
سہتی رہیں گی کب تک کربِ جدائی آنکھیں

104

زندہ رہے گی کب تک یہ رسمِ تلخ گوئی
لفظوں کی بے رُخی پر اُس نے دکھائی آنکھیں

میں اپنے منظروں کو اپنی نظر سے دیکھوں
مجھ کو روا نہیں ہے اُس کی پرائی آنکھیں

ہر جور ہر ستم کو سہتی رہی ہیں اب تک
خاموش ہو گئی ہیں دے کر دہائی آنکھیں

تمثیلہؔ میری آنکھیں موقع محل نہ دیکھیں
ساون کی طرح برسیں جب بھی چھپائی آنکھیں

104

تم بِن

تُو جو نہیں ہے تو
آج بھی
آنکھوں میں ویرانی ہے
ہر سُو گھورا اندھیرا ہے
ہونٹوں پر ہے خاک جمی
غم کی چادر اوڑھ رکھی ہے
دل ہے درد سے بوجھل بوجھل
تنہائی کی دھوپ میں دیکھو
یادوں کی جو برف جمی تھی
لمحہ لمحہ پگھل رہی ہے
دل کی بستی نگل رہی ہے
جگنو بن کے خواب ادھورے
میری پلکوں کے سائے میں
آن کھڑے ہیں
کتنے ارمانوں کے لاشے
بے گور و کفن پڑے ہیں
تم بِن

104

دو قطعات

O

اشک بن بن کر مِری آنکھوں سے کب کے بہہ گئے
خواب جو دیکھے تھے وہ سارے ادھورے رہ گئے
غیر تو پھر غیر ہیں ان سے کوئی شکوہ نہیں
ہم تو اپنوں کے ستم ہنس ہنس کے دیکھو سہہ گئے

O

دامانِ خواہشات بھی سادہ نہیں ہُوا
کوئی بھی شوق اتنا زیادہ نہیں ہُوا
کچھ میں بھی اپنی ذات کے گنبد میں گم رہی
کچھ دل بھی تیرا اتنا کشادہ نہیں ہُوا

104

o

دکھ اٹھاتی ہوں درد سہتی ہوں
پھر بھی خاموش ہی میں رہتی ہوں

اس کی یادوں کے تپتے صحرا میں
ایک ندی کی طرح بہتی ہوں

کوئی ہمراز ہی نہیں میرا
خود سے ہی دل کی بات کہتی ہوں

خستہ دیوار کی طرح ہوں میں
تھوڑی تھوڑی میں روز ڈھیتی ہوں

میرے باہر ہیں لوگ تمثیلہؔ
اپنے اندر اکیلی رہتی ہوں

104

o

دیے حسرتوں کے جلاتی رہوں گی
میں دکھ سہہ کے چُپ چاپ گاتی رہوں گی

کسی دن یہ سیلاب آ کے رہے گا
میں کب تک یوں آنسو چھپاتی رہوں گی

دعائیں کروں گی تِرے لوٹنے کی
میں چڑیوں کو دانہ کھلاتی رہوں گی

اگرچہ زمانہ دُکھاتا رہے دل
مگر میں تو سب کو ہنساتی رہوں گی

میں تمثیلہؔ مر جو گئی تم سے پہلے
ستاروں سے ملنے تو آتی رہوں گی

104

رفتہ رفتہ اک پہاڑی راستہ گم ہو گیا
دو گھروں کے بیچ غم کا قافلہ گم ہو گیا

نرم و نازک جسم کی پتھر مزاجی کے سبب
اُس سیہ مورت کا کڑوا ذائقہ گم ہو گیا

اس نے ازراہِ محبت مجھ سے پوچھا حالِ دل
یہ اچانک ہونے والا واقعہ گم ہو گیا

زندگی کی گفتگو ہونے لگی دونوں کے بیچ
وصل کی شب کچھ نہ کہنے کا گلہ گم ہو گیا

ایک گہری چُپ میں گم ہونا کرامت ہے مگر
سُولیوں پر بولنے کا مشورہ گم ہو گیا

کھو گئے تمثیلہ جگنو خوب صورت شام سے
سہ پہر سے تتلیوں کا قافلہ گم ہو گیا

104

مجھے رہنا تھا اپنی ماں کی چھاؤں میں
دوبارہ اس لیے آئی ہوں گاؤں میں

وہ تھوڑی دیر ٹھہرا تھا یہاں آ کر
ابھی تک خوشبو پھیلی ہے فضاؤں میں

میرے دل میں ہو تم فقط تم ہی تم
مسلسل تم ہی رہتے ہو دعاؤں میں

کئی دن سے پرندے مرتے جاتے ہیں
یہ کیسا زہر پھیلا ہے فضاؤں میں

کبھی پھولوں میں آتا ہے نظر مجھ کو
کبھی دِکھتا ہے وہ مجھ کو گھٹاؤں میں

بہاروں کا پتہ نہیں معلوم مجھ کو
میں تمثیلہؔ رہی اب تک خزاؤں میں

104

o

اگر یہ مسئلہ ہے ہم کدھر جائیں
تو خوشبو کی طرح آؤ بکھر جائیں

یہ دنیا ہم کو جینے تو نہیں دے گی
تو کیا دنیا کی خاطر ہم بھی مر جائیں

یہ منظر منہ چڑاتے ہیں تمھارے بعد
اگر تم سامنے آؤ سنور جائیں

کبھی بارش کی صورت میں تم آ جاؤ
گلابوں کی طرح ہم بھی نکھر جائیں

104

وہ صحرا ہے تو صحرا اوڑھ لیں خود پر
وہ دریا ہے تو دریا میں اتر جائیں

در و دیوار رستہ دیکھتے ہونگے
بہت دن ہو گئے اب اپنے گھر جائیں

یہی سوچا ہے تمثیلہؔ محبت میں
زمانے سے کوئی اب ہاتھ کر جائیں

o

O

104

سکھاؤں گی ترے اشکوں کو میں ہوا کی طرح
میں تیرے ساتھ رہوں گی کسی دعا کی طرح

بھٹکنے دوں گی نہ خاموشیوں کے جنگل میں
کہ چار سُو مجھے پاؤ گے تم صدا کی طرح

جگہ جگہ پہ میں سر کو جھکا نہیں سکتی
جگہ جگہ پہ ملیں لوگ جب خدا کی طرح

نہیں یقین تو صحرا کی پیاس بن جاؤ
میں کیسے دیکھنا آؤں گی پھر گھٹا کی طرح

یہی تو دکھ ہے میں اس کی نمازِ صبح رہی
مگر وہ پڑھتا رہا ہے مجھے عشاء کی طرح

تمام عمر نہ تمثیلہؔ دیکھی کوئی خوشی
یہ زیست اپنی تو گزری کسی سزا کی طرح

104

o

غور سے سن لو محبت میں انا رکھتی ہوں میں
لوٹ جاؤں جس پہ ایسا راستہ رکھتی ہوں میں

گھر کے آنگن میں اندھیرا رات کو ہوتا نہیں
تیری یادوں کا جلا کر اک دیا رکھتی ہوں میں

یہ سہانی شام برباد میں کر سکتی نہیں
آج جو بھی شکوہ ہے کل پر اٹھا رکھتی ہوں میں

یہ ہوائیں میرے آنچل کو اڑا سکتی نہیں
باندھ کر ماں باپ کی اس میں دعا رکھتی ہوں میں

نیند میں بھی شرم کا دامن کبھی چھوڑا نہیں
جگنوؤں کے خواب آنکھوں سے جدا رکھتی ہوں میں

104

دیتی رہتی ہوں اذیت اپنی آنکھوں کو بہت
تُو نہ جب آئے نظر اِن کو رُلا سکتی ہوں میں

مجھ کو تمثیلہؔ مزا آتا ہے جانے اس میں کیوں
جو محبت کرتا ہے اُس کو خفا رکھتی ہوں میں

o

104

مِرا غم یوں سنبھلتا جا رہا ہے
کئی چہروں میں ڈھلتا جا رہا ہے

مِرے دل پر اندھیرے چھا رہے ہیں
کوئی آنکھیں بدلتا جا رہا ہے

میں ہر لمحہ اداسی پی رہی ہوں
کوئی دل سے نکلتا جا رہا ہے

یہ کیسی بے یقینی ہے فضا میں
جسے دیکھو پگھلتا جا رہا ہے

جسے چاہا وہی کم ظرف ظالم
مِرے دل کو مسلتا جا رہا ہے

خیالِ یار تمثیلہؔ ہر اک پل
مِرے اندر سلگتا جا رہا ہے

104

o

چاند کی پڑوسن ہے رات کی سہیلی ہے
پھر بھی دیکھو تمثیلہ کس قدر اکیلی ہے

جیت بھی نہیں سکتی ہار بھی نہیں سکتی
میں نے ایک بازی تو اپنے ساتھ کھیلی ہے

یہ تو اس کے آنے کا انتظار ہے پہنا
یہ جو ہاتھ میں گجرا کان میں چنبیلی ہے

موت کا ڈرامہ وہ کر رہا تھا میرے ساتھ
اس کی اس شرارت نے جان میری لے لی ہے

اس لیے ہی تمثیلہ مجھ کو ڈر نہیں لگتا
اُس کو خوف کا ہے کا جس کا اللہ بیلی ہے

104

زندگی محبت میں اس طرح بِتاؤں گی
تم کو یاد رکھوں گی خود کو بھول جاؤں گی

پہلے اس کو جی بھر کے دیر تک ستاؤں گی
بعد میں سبھی باتیں اُس کی مان جاؤں گی

پیار سے بھرے وہ دن پیار سے بھری
شامیں
تم بھی ڈھونڈ کر لانا میں بھی ڈھونڈ لاؤں گی

روز لوٹ آنا تم میرے گھر ہوا بن کر
روز اپنے آنگن میں کچھ دیے جلاؤں گی

بچے دیکھ کر میرا بچپنا نہ جائے گا
کاپیوں میں ان کی میں تتلیاں بناؤں گی

جو کہے گا تمثیلہ چھین سکتا ہوں تم کو
اُس کے ہاتھ کی جانب ہاتھ خود بڑھاؤں گی

104

کچھ دنوں سے وہ بھی کیا ناراض ہے
ایسے لگتا ہے خدا ناراض ہے

میری آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں
میرے ہونٹوں سے دعا ناراض ہے

جس طرف جاؤں بھٹک جاتی ہوں میں
جانے کیوں ہر راستہ ناراض ہے

ریت اڑتی ہے مِرے چاروں طرف
مجھ سے ساون کی گھٹا ناراض ہے

کھِلنے سے پہلے بکھر جاتے ہیں پھول
سبز موسم سے ہوا ناراض ہے

اپنے اشکوں سے بجھاتی ہوں اسے
مجھ سے تمثیلہؔ دیا ناراض ہے

104

o

جانِ من جانِ جاں محبت ہے
ہم جہاں ہیں وہاں محبت ہے

اب تو آ جاؤ تم خدا کے لیے
یہ سہانا سماں محبت ہے

شام ِ ہجر کی سرد راتوں میں
میٹھا دردِ نہاں محبت ہے

راہِ منزل کے شوق میں ہمدم
میرے دل کا مکاں محبت ہے

مجھ کو یہ سن کے پھر ہنسی آئی
تم نے پوچھا کہاں محبت ہے

دل تو بس جانتا ہے یہ صاحب
یہ زمیں آسماں محبت ہے

104

تشنگی دل کی بجھ نہیں پائی
بے ضرر بے زباں محبت ہے

دشتِ دنیا کی دھوپ کیا سمجھیں
خود پہ اک سائباں محبت ہے

جس میں شکوے گِلے زیادہ ہوں
وہ تو بس رائیگاں محبت ہے

من کے مندر میں جھانکیے تو ذرا
بُت کے اندر نہاں محبت ہے

لمس کچھ مرمریں عبادت کا
یوں ضمیرِ گماں محبت ہے

دولتِ عشق میں زیاں کیسا؟
اشک آہ و فغاں محبت ہے

داغِ حسرت کے زخمی سینے میں
لالہ و گُل نشاں محبت ہے

بارگاہِ خدا میں تمثیلہؔ
وقتِ فجرِ اذاں محبت ہے

104

o

زندگی کا نشاں محبت ہے
خامشی کی زباں محبت ہے

تاجداروں سے کچھ غرض ہی نہیں
ہم پہ ہر دم عیاں محبت ہے

اُس پہ تن من نثار ہے اپنا
سچا جو رازداں محبت ہے

اِس پہ ہر چند ہے خزاں موسم
پھر بھی یہ گلستاں محبت ہے

حوصلہ ہارنا نہیں سیکھا
شوقِ منزل جواں محبت ہے

تم کو اے دل میں کیسے سمجھاؤں
خود پہ سب کچھ عیاں محبت ہے

محفلِ دوستاں میں جب دیکھا
ہر یقیں ، ہر گماں محبت ہے

104

شام ہوتے چراغ جل جائیں
جلوۂ جانِ جاں محبت ہے

خود نمائی نہیں یہاں مقصود
گرد و پیش و زماں محبت ہے

یوں تیرا شہرِ کاروبار چلے
سارا سود و زیاں محبت ہے

چاند تاروں کی بات کیا کیجے
مہ جبیں کہکشاں محبت ہے

رہبری راس آگئی شاید
ایسا پیرِ مُغاں محبت ہے

خود شناسی یہ طنز مت کرنا
دل کا یہ کارواں محبت ہے

خامشی ، شب، صدائے رَبّانی
وسعتِ لا مکاں محبت ہے

رہگذر گُم نہ ہو گی تمثیلہؔ
دل میں روشن نشاں محبت ہے

o

104

سبھی وعدے سبھی قسمیں بھلا کر جی رہی ہوں میں
کسی کی تھی کسی کے پاس آ کر جی رہی ہوں میں

جنہیں میں دیکھ کر جیتی تھی کل تک اب ستم یہ ہے
وہ منظر اپنی آنکھوں سے ہٹا کر جی رہی ہوں میں

اگر تو مِل نہیں پایا تو مجھ کو اتنا کافی ہے
کہ تیرے غم میں اپنا غم مِلا کر جی رہی ہوں میں

جدائی کے دنوں میں اتنی ہمت تو نہیں لیکن
تِری یادوں کی گٹھڑی اٹھا کر جی رہی ہوں میں

مجھے میرا نہیں رہنے دیا جس شخص نے سکھیو
اُسی کو ذات کا حصہ بنا کر جی رہی ہوں میں

اندھیرا ہی اندھیرا ہے مِری دنیا میں تمثیلہؔ
دیے خواہش کے جتنے تھے بجھا کر جی رہی ہوں میں

o

نفع نقصان کا شمار نہیں
یہ محبت ہے کاروبار نہیں

اب وہ آیا ہے لوٹ کر کہ جب
مجھ کو اپنا بھی انتظار نہیں

اپنے رشتوں کو رو چکی ہوں میں
میرے دل پر کسی کا بار نہیں

کیسے اُس کو سناؤں حالِ دل
میرا دل میرا رازدار نہیں

اس قدر دھوکے کھائے ہیں دل نے
اب تو خود پر بھی اعتبار نہیں

ویسے تمثیلہؔ ہے بہار مگر
میرے اندر کہیں بہار نہیں

o

104

روز سپنے دکھا رہا ہے کوئی
مجھ کو اپنا بنا رہا ہے کوئی

جانے یہ کیسا خوف ہے مجھ میں
ایسا لگتا ہے جا رہا ہے کوئی

پھول ہاتھوں میں لے کے بیٹھی ہوں
اور دھیرے سے گا رہاہے کوئی

حال یہ ہے کہ روک سکتی نہیں
قہر یہ ہے کہ جا رہا ہے کوئی

پاؤں میرے زمیں نے پکڑے ہیں
آسماں پر بُلا رہا ہے کوئی

میں اکیلی ہوں پھر بھی تمثیلہؔ
لگ رہا ہے ستا رہا ہے کوئی

o

104

پہلے لگا کہ دل یہاں میرا اداس ہے
پھر یہ کھُلا کہ سارا زمانہ اداس ہے

یہ آنکھ تیرے نام تھی یہ شام تیرے نام
اب میں اداس ہوں یا ستارا اداس ہے

ہر شخص اپنے ساتھ ہے پھرتا ہے وہ جہاں
ہر شخص اپنے آپ میں تنہا اداس ہے

کرنے چلی ہوں تازہ محبت کی رسم کو
کچے گھڑے کو دیکھ کے دریا اداس ہے

پاگل ہوا نے رات چراغوں سے یہ کیا
اُس کے بغیر چاند بھی کتنا اداس ہے

تمثیلہؔ کاش عید سے پہلے وہ لوٹ آئے
میری نماز اور مِرا روزہ اداس ہے

104

O

تیرے بغیر گاؤں کا رستہ اداس ہے
اب لوٹ آ کہ چاند بھی خاصا اداس ہے

چلتی نہیں ہوا بھی سرِ شام اب وہاں
جنگل اداس، پیڑوں کا سایہ اداس ہے

ساحل کے ساتھ ہیں لہریں بھی سب اداس
کشتی اداس ہے وہی دریا اداس ہے

ویسے تو ہنستی رہتی ہوں دنیا کے سامنے
سب لوگ مجھ سے کہتے ہیں چہرہ اداس ہے

تمثیلہ جھوٹ کہتی ہیں سکھیاں مِری سبھی
جتنی اداس میں ہوں وہ اتنا اداس ہے

104

o

بھیگی بھیگی ٹھنڈی شام
کر دوں اُس ظالم کے نام

دھیان میں رکھنا تم کو بھی
پڑ سکتا ہے مجھ سے کام

صرف محبت ہے انمول
باقی ہر جذبہ ناکام

دنیا چھوڑ کر آئی ہوں
اب تو میرے ہاتھ کو تھام

تمثیلہؔ وہ جادوگر
کر لیتا ہے مجھ کو رام

104

قطعات

کرتی ہوں بیاں کوئی وفا کا قصہ
پَر بیچ میں آجائے جفا کا قصہ
خوشیوں پہ ہے حق سب کا برابر لیکن
ہوتا ہے الگ شاہ و گدا کا قصہ

وفا کا آپ یہ کیسا صلہ دیتے ہیں مجھ کو
جفا کے بعد جینے کی دعا دیتے ہیں مجھ کو
بسایا ہے بڑی چاہت سے ان کو اپنے دل میں
وہی اب دل میں رہنے کی سزا دیتے ہیں مجھ کو

جب سے وہ بے نقاب ہو گئے ہیں
خواب سارے عذاب ہو گئے ہیں
وہ سوالوں کا دے سکے نہ جواب
جانے کیوں لاجواب ہو گئے ہیں

104

O

روشنی سے ڈری ہوئی ہوں میں
ظلمتوں میں بڑی ہوئی ہوں میں

اپنی مرضی نہیں ہے میری کوئی
فیصلوں سے بندھی ہوئی ہوں میں

ہاتھ اُس کا پکڑ کے نکلی تھی
راستے میں کھڑی ہوئی ہوں میں

جتنی باہر سے لگتی ہوں سرسبز
اتنی اندر جلی ہوئی ہوں میں

میں تو ہیرا تھی ایک تمثیلہؔ
پتھروں میں جڑی ہوئی ہوں میں

104

o

دکھ ہی دکھ ہیں راستے میں ہر خوشی ناراض ہے
ایسا لگتا ہے کہ مجھ سے زندگی ناراض ہے

میں جہاں جاؤں مقدر میں اندھیرے ہیں مِرے
میں وہ بدقسمت ہوں جس سے روشنی ناراض ہے

جس کی خاطر ساری دنیا چھوڑ کے آئی ہوں میں
میں کہاں جاؤں کہ وہ تو اور بھی ناراض ہے

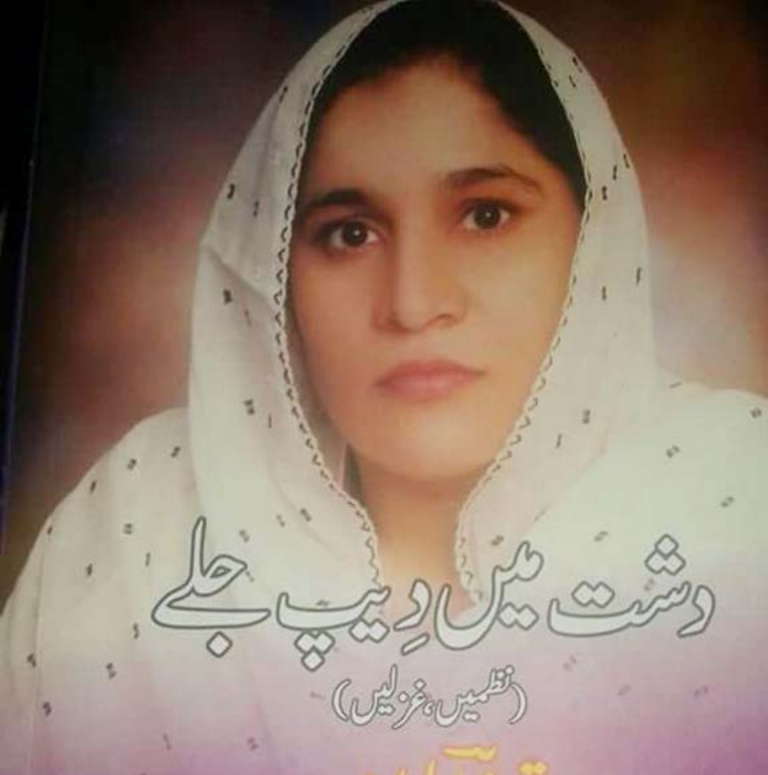
اپنے آنسو اپنی آنکھوں میں چھپا سکتی نہیں
کچھ دنوں سے میری ماں مجھ سے بڑی ناراض ہے

104

جانے کیوں اچھا نہیں لگتا مرا پڑھنا اسے
مان تو جائے گا بابو پر ابھی ناراض ہے

جب سے تمثیلہؔ خفا ہے مجھ سے وہ جانِ غزل
مجھ کو یوں لگتا ہے مجھ سے شاعری ناراض ہے

104



دشت میں دِیپ جلے

(نظمیں، غزلیں)

تمثیلہ لطیف

تمثیلہ لطیف نے اپنا یہ دوسرا شعری مجموعہ مرتب کیا ہے جو "دشت میں دیپ جلے" کے نام سے آیا ہے۔ شعری مجموعے کا یہ نام کافی حد تک تمثیلہ لطیف کے احساسات کا آئینہ دار ہے۔ واقعی اس کی بیشتر غزلیں دشت و صحرا کی اداس وسعتوں کی امین ہیں۔ اس کی بعض غزلیں تو پوری کی پوری انھی کیفیات کی حامل ہیں۔

کبھی وعدے کبھی قسمیں بھلا کر جی رہی ہوں میں
کسی کی تھی، کسی کے پاس آ کر جی رہی ہوں میں

ممتاز راشد لاہوری

خیال و فن پبلشرز لاہور